Name: Mohammad Yousuf Wani
Topic: Hayatullah Ansari Aur Urdu Fiction Ek Tahqiqi Mutalah
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia, New Delhi
Supervisor: Prof. Shahzad Anjum

Abstract

تلخیص

حیات اللہ انصاری اور اردو فکشن -- ایک تحقیقی مطالعہ

حیات اللہ انصاری ایک نابغہ روزگار شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ہندوستان کے ایک علمی خانوادے فرنگی محل لکھنو میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد، انہوں نے صرف ۱۷ برس کی عمر میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ، ادیب کامل، ادیب فاضل کے بعد علی گڑھ کا رخ کر کے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ وہ علی گڑھ سے واپسی کے بعد صحافت کے پیشے سے وابستہ ہوگئے۔ وہ تین بار یوپی قانون ساز کونسل کے ممبر اور دو بار راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہے اور فروری ۱۹۹۹ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انہوں نے ۱۹۲۷ء سے افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔ ان کے چاروں افسانوی مجموعے حقیقت نگاری کا اچھا نمونہ ہیں۔ ۱۹۳۷ء سے وہ ہفت روزہ ''ہندستان'' کے مدیر ہوئے۔ پھر ''قومی آواز''، ''سب ساتھ'' اور ''سچ رنگ'' بھی ان کی ادارت میں نکلے۔ تعلیم بالغان میں نمایاں کردار ادا کر کے وہ ایک کامیاب ماہر تعلیم کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے لیے ۲۰ لاکھ لوگوں کے دستخط جمع کیے۔ ان کی ایک کہانی پر مشہور فلم ''نیچا نگر'' بنی اور یہ پہلی ہندوستانی فلم ہے جس پر پہلا بین الاقوامی ایوارڈ ملا تھا۔ ''جدیدیت کی سیر'' سے اُن کے تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ حیات اللہ انصاری نے پروفیسر حبیب صاحب کی کتاب ''امیر خسرو دہلوی'' کے ایک باب کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، جو ۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے زندگی کے آخری ایّام میں اپنی خودنوشت ''حیاتِ حیات'' کے صرف ۴۸ صفحات ہی لکھے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ حیات اللہ انصاری نے بچوں کیلئے بھی کہانیاں اور ڈرامے لکھے ہیں۔ انہوں نے ایک سفرنامچہ ''قدرت کے بانہوں میں'' بھی لکھا ہے۔ یوں انہوں نے بیشتر اصناف ادب پر طبع آزمائی کر کے ایک کامیاب انسان، ادیب، صحافی، سیاست دان، مجاہد اردو، مجاہد آزادی اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے۔ ان ہی نتائج پر میں نے اپنے مقالے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ حیات اللہ انصاری کا صحافتی سفر (کم وبیش) سینتیس ۳۷ برسوں پر محیط ہے۔ انہوں نے ۱۹۳۷ میں ہفت روزہ ''ہندستان'' کی ادارت سنبھالی۔ جو ۱۹۴۲ میں ''ہندستان چھوڑ دو'' تحریک کے ساتھ بند ہوا۔ ۱۹۴۵ میں انہوں نے بانی مدیر قومی آواز کی حیثیت سے دوبارہ صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ جس کے وہ ۱۹۷۱ تک مدیر رہے۔ انہوں نے ۱۹۷۲ سے ۱۹۷۶ تک کانگریس کے ہفت روزہ ترجمان ''سب ساتھ'' کی ادارت کی۔ اور ایوان بالا سے سبکدوشی کے بعد ''سچ رنگ'' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا جو زیادہ دیر تک نہیں چل سکا۔ یوں انہوں نے جوانی سے بڑھاپے تک اردو صحافت کی خدمت کر کے اس کا رتبہ بلند کیا۔

اردو ناول کے آغاز کے بعد ہی اس نے ترقی کے منازل طے کیے۔ نذیر احمد کے اصلاحی قصوں اور شرر کے تاریخی ناولوں کے بعد سرشار جیسے بیسار نویس نے اس کی کمان سنبھالی۔ رسوا کے ناول ''امراء و جان ادا'' سے فنی اعتبار سے باقاعدہ آغاز کے بعد پریم چند جیسے حقیقت پسند ناول نگار نے اس میں اضافہ کیا۔ ترقی پسندوں نے اگرچہ ایک محدود فکر اور نعروں کے زیر اثر ہی ادب تخلیق کیا، تاہم عصمت، منٹو، کرشن چندر، عبدالغفار، سجاد ظہیر، قاضی عبدالستار، بیدی جیسے فنکاروں کی

وجہ سے ہی اس کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ جدیدیت کے ناول نگاروں نے زندگی اور اس کے متعلق مسائل تشکیک، علامتی زندگی، تنہائی، یاسیت وغیرہ کو ناول میں پیش کیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد اردو ناول نگاروں نے کسی متعینہ اسلوب کی پیروی نہیں کی۔ بلکہ تمثیلی، استعاراتی اور علامتی اسلوب استعمال کیا۔ اردو ناول کی ایک سو چالیس سالہ تاریخ میں ایسے بڑے اور اتنی مقدار میں ناولوں کا موجود ہونا کسی امتیاز سے کم نہیں۔ اگر کچھ خامیوں کو دور کر کے اس فن کی طرف توجہ دی جائے تو یہ فن اپنے معیار اور مقدار کی وجہ سے عالمی زبانوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہوگا۔

حیات اللہ انصاری نے اپنا پہلا اور شہرہ آفاق ناول ''لہو کے پھول'' ۱۹۶۹ء میں لکھا جو نہ صرف ان کا بلکہ اردو ادب کا ضخیم ناول ہے۔ ''لہو کے پھول'' حیات اللہ انصاری کا پہلا ناول ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل اردو کا ضخیم ترین ناول ہے۔ ۲۶۰۸ صفحات پر پھیلا ہوا یہ ناول ایک تاریخی اور سیاسی دستاویز بھی ہے۔ جس کو حیات اللہ انصاری نے ۱۹۶۹ء میں پائے تکمیل تک پہنچا کر کتاب دان لکھنؤ سے شائع کیا۔ اس شاہکار پر اُن کو کافی سراہا گیا اور ۱۹۷۰ء میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ حیات اللہ انصاری کی تخلیقات میں ''مدار'' ماسٹر پیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل یہ ناول ستمبر ۱۹۸۱ میں کتاب دان لکھنو سے شائع ہوا۔ ناول ''مدار'' میں انہوں نے مادری زبان کے جذبے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول کی زبان عام فہم سلیس اور رواں ہے اور اسلوب بے حد دلکش۔ یہ ضخیم نہ ہوتے ہوئے بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ ''گھروندا'' حیات اللہ انصاری کا تیسرا ناول ہے جو ۱۹۸۲ میں کتاب داں لکھنو سے شائع ہوا۔ ۶۹۹ صفحات پر مشتمل یہ ناول اردو کا منفرد ناول اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ بنجاروں پر لکھا گیا پہلا ناول ہے۔ جس میں حیات اللہ انصاری نے تہذیبی تفاوت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔

تحقیق میں کوئی بات حتمی نہیں ہوتی ہے، البتہ ابھی تک کی تحقیق کے مطابق راشد الخیری ہی پہلے باقاعدہ افسانہ نگار قرار پاتے ہیں۔ ان کا پہلا افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' ۱۹۰۳ء میں رسالہ مخزن لاہور میں شائع ہوا۔ پریم چند کی حقیقت نگاری کے ساتھ یلدرم، نیاز فتح پوری وغیرہ کی رومانیت نے بھی افسانے کو ابتدائی مراحل سے گزرنے میں مدد دی۔ ترقی پسند تحریک سے اردو افسانے کو بہت فروغ ملا۔ جدیدیت کے علامتی اور تجریدی رجحان اردو افسانے کو نیا لب ولہجہ دیا جہاں افسانہ نگاروں کی لمبی قطار دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے جوش، تقسیم ہند کے المیے اور جدیدیت کے علامتی اظہار نے اردو کو بہترین کہانیاں عطا کیں۔ ہیئت، اسلوب اور تکنیک وغیرہ میں بھی تجربات کیے گئے۔ آج کی کچھ کہانیاں غیر مربوط، ناقص زبان، فیشن پرستی، وغیرہ کی حامل ہیں۔ تاہم اس انبوہ کثیر میں بھی بہت ہی اہم افسانہ نگار مختصر افسانے کی اس روایت کو فنی تقاضوں اور ادبی روایات کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں۔

اردو افسانے میں حیات اللہ انصاری یوں تو فہرست میں ہر جگہ موجود ہیں؛ لیکن ان کو زیادہ تر ''آخری کوشش'' کے حوالے سے ہی پرکھنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۳۰ کے آس پاس کیا اور اپنے چاروں افسانوی مجموعوں ''انوکھی مصیبت''، ''بھرے بازار میں''، ''شکستہ کنگورے'' اور ''ٹھکانا'' کے علاوہ کئی افسانے ایسے ہیں جو کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ حیات اللہ انصاری فنی حدود و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے زندگی کی ہو بہو ترجمانی مشاہدے اور تخیل کی مدد سے اپنی کہانیوں میں کرتے ہیں۔ ان کے اکثر افسانے حقیقت نگاری کے عمدہ نمونے ہیں۔ انہوں نے بھوک، غربت، افلاس، کے علاوہ کسانوں، نچلے طبقے، مزدوروں، مفلوک الحال، اور سماج کے کمزور طبقے کی بہترین عکاسی اپنی کہانیوں میں کی ہے۔ ''ڈھائی سیر آٹا، بھرے بازار میں، موزوں کا کارخانہ، بار برس بعد، بھیک، کوا پری، خلاص، آخور کا تحفہ'' وغیرہ ایسی ہی کہانیاں ہیں۔ انہوں نے فسادات کی بے لاگ تصویر کشی ''ماں بیٹا'' اور ''شکر گذار آنکھیں'' کہانیوں میں کی۔ حیات اللہ انصاری نے کردار نگاری، وحدت تاثر، منظر کشی، اسلوب اور پلاٹ میں بھی فنی کمالات کا ثبوت دیا ہے۔ وہ ایک بلند پایہ افسانہ نگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کم کہانیاں لکھنے کے باوجود بھی وہ اردو کے صف اول کے افسانہ نگاروں میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔

درج بالا نکات کی روشنی میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ اردو فکشن میں حیات اللہ انصاری کا مرتبہ بلند ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اردو میں ان کے فکشن پر حسب ضرورت ابھی تک توجہ نہیں دی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے سے مقالہ کے مطالعہ سے کسی حد تک ان کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

☆☆☆